© rasailojaraid.com

دینِ حق اور جدیدیت گزیدہ ذہن و رویّہ

ڈاکٹر ابصار احمد

جمہور علمائے ربانی اور متکلّمینِ سلف کے نزدیک جہاں ایک طرف اسلام اور اس کے اوامر ونواہی اپنی ساخت اور بناوٹ میں اور اسلامی نظامِ حیات (یعنی شریعت) فی نفسہٖ معقول المعنیٰ تصور کیا گیا ہے‘ اس کے مسائل واحکام میں تعلیل ومصالح کے مضمرات نفوسِ مزکّی کو ہمیشہ نظر آئے ہیں‘ وہاں دوسری طرف اسی عقل وفہم کو حقیقی اور مصدقہ (authentic) سمجھا گیا جو قرآن وسنت سے مستفاد ومحصور ہے۔ جس کی بنیاد خدا شعوری‘ احساسِ بندگی‘ تقویٰ اور آخرت طلبی ہے اور جو اپنی محدودیت سے آگاہ ہے۔ دراصل قرآن کی الٰہیاتی علمیات کے مطابق منزّل من اللہ حقائق کا فہم ہی اصل تعقّل‘ تفکّر‘ تذکّر اور علم وفہم کے دروا کرتا ہے۔ قرآن کریم نے جا بجا اس امر کی صراحت کی ہے کہ وحی الٰہی کی غرضِ تنزیل ہی یہ ہے کہ لوگ عقل وفکر سے کام لیں۔ یعنی قرآن وسنت کے بیان کردہ حقائق ومعارف کا گہرا شعور اور فہم ہی حقیقی تعقّل وتفکّر اور تدبر ہے جو مبدأ ومعاد کی گتھیاں حل کرتا ہے۔

اسلامی عقائد وتعلیمات کی داخلی نورانیت اور حکمت ہی کے باعث اسلام کے دفاع کے لیے متکلّمین گروہ در گروہ سامنے آئے اور اس کے معارف وحِکَم پر تصانیف قلمبند کیں۔ غزالی‘ عزّالدین بن عبدالسلام اشعری‘ خطابا‘ ابن تیمیہ‘ حافظ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر علمائے اسلام نے عقائد کے مباحث سلجھائے اور عبادات کے اسرار ورموز واضح کیے۔ علوم القرآن‘ علوم الحدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ الٰہیات اور فکر وفلسفہ میں متذکرہ بالا اور ان کے پائے کے بیسیوں دوسرے مشاہیر اسلام نے ہمارے دین اور تہذیب کی اَسلافی ومتواتر روایت کی بنیادیں بالوضاحت قائم کی ہیں۔ جن میں ایک طرف علمیات‘ اخلاقیات‘ معاشرت ومعیشت اور جملہ مابعد الطبیعیاتی مباحث پر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات انتہائی حکیمانہ اور بصیرت افروز انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ اور دوسری طرف الحاد وزندقہ اور گمراہ فرقوں کے خیالات پر چشم کشا نقد وتبصرہ ہے۔ الغرض اسلامی علمیت کی تشکیل‘ ایمان‘ تقویٰ‘ تدیّن اور روایت کے حوالوں سے ہوتی ہے جو قطعی وحتمی ایقان فراہم کر کے نہ صرف ذہنی وقلبی آسودگی عطا کرتی ہے بلکہ اُخروی نجات اور فوز وفلاح کی ضامن بھی ہے۔

مندرجہ بالا سطور راقم نے اپنی تحریر بعنوان ’’اسلامی علمیت بمقابلہ سائنسی جدیدیت‘‘ سے لی ہیں جو ’حکمت قرآن‘ کے سال ۲۰۱۵ء کی تیسری سہ ماہی کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ اسلامی منہاج میں وحی (Revelation) کو جو مرکزی اور جوہری حیثیت حاصل ہے‘ اس کی روشنی میں اسلام کے معتقدات اور تصورِ دین آخری درجے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ٹھیٹھ پن کا تقاضا کرتے ہیں اور اس میں وہ ذرہ بھر مفاہمت قبول نہیں کرتے۔ صدیوں پر محیط مین سٹریم اسلام‘ قرآن کریم کی ابدیت وحکمیت اور حتمیت کے اقرار‘ رسول اللہ ﷺ کی سنت وتشریحات اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعبیرات پر مصر ہے اور اس سے انحراف کو گمراہی قرار دیتا ہے۔ دین کا منہاجِ علم اور طریقِ تفہیم اپنے ماننے والوں سے مکمل اثبات اور غیر مشروط انقیاد کا مطالبہ کرتا ہے۔ شریعت کی حاکمانہ حیثیت اور اسلام کو سوسائٹی اور ملک وسیاست پر حاوی کروانے کی جدّوجُہد اہلِ سنت جماعۃ المسلمین کے اعتقاد کا جز واصیل ہے۔ بالفاظِ دیگر اسلام صرف روحانی اور اخلاقی ضابطوں کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق امور ریاست سے بھی ہے۔

دوسری جانب اسلام کی حقانیت اور دینی فکر کو جدید ذہن کے لیے قابل فہم بنانے کے لیے عالم اسلام میں موجود بہت سے ادارے اور افراد اپنے اپنے انداز میں کوشش کر رہے ہیں‘ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کثیر تعداد میں یہ مساعی افراط وتفریط کا شکار ہو کر قرآن وسنت پر مبنی اسلامی تعلیمات کی متواتر وروایتی تفہیم پیش اور پروموٹ نہیں کر سکیں‘ بلکہ ان کی تعبیرات وتفہیمات میں سیکولر اور لبرل افکار کے اثرات بڑے واضح طور پر سامنے آ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مغربی دنیا اور بالخصوص امریکہ کے بعض ادارے مثلاً Templeton Foundation اور اسی قبیل کے دوسرے ادارے خطیر رقم خرچ کر کے اپنے چنیدہ مسلمان پروفیسروں کو پاکستان‘ بھارت اور دوسرے ممالک میں بھیج کر ان ممالک کے روایتی مدارس اور دار العلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ علمی تبادلہ خیال (”مکالمہ“) اور تعامل کے ذریعے انہیں مذہبی اور کلچرل تکثیریت (pluralism) اور جدیدیت کے لیے ذہناً تیار کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ دو اڑھائی ماہ قبل امریکی یونیورسٹی کے چند پروفیسر پاکستان (گوجرانوالہ اور اسلام آباد) اور بھارت میں بعض جگہوں پر ”مدرسہ ڈسکورس“ کو اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرنے میں مصروف رہے۔ ان کی تصاویر اور مختصر فکری بیانیہ انٹرنیٹ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اپنے اس پورے پراجیکٹ کو ان فاضل حضرات نے ”Contending Modernities“ کا عنوان دیا ہے‘ یعنی جدیدیت کی بھی صرف کوئی ایک قسم نہیں ہے‘ بلکہ اس کی متعدد اشکال اور تشکیلات ہیں جو قدیم روایتی مسالک سے برسرپیکار ہیں‘ اور مین سٹریم اسلام میں آگے بڑھنے اور مسابقت کے لیے کوشاں ہیں۔ میری دانست میں مغرب میں حصولِ تعلیم کے بعد ان حضرات نے لاشعوری طور پر مذہب کے معمولی سے لاحقے (Tag) کے ساتھ اپنی فہم وفکر میں جدیدیت کے ہیومنسٹ ڈیموکریٹک پیراڈائم (Humanist Democratic Paradigm) کو قبول کر لیا ہے۔

”Contending Modernities“ پروگرام ایک اطلاع کے مطابق دو اڑھائی سال جاری رہے گا اور اس کو چلانے والے علمی حضرات میں دو نام نمایاں ہیں: جناب پروفیسر ابراہیم موسیٰ اور ڈاکٹر ماہان مرزا۔ اول الذکر کا آبائی تعلق انڈیا سے لیکن اب ساؤتھ افریقہ سے ہیں اور مؤخر الذکر کا تعلق پاکستان سے ہے جہاں وہ پلے بڑھے اور انجینئرنگ میں ڈگری امریکہ سے کی۔ عجیب بات ان دونوں حضرات کے حوالے سے یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ انہیں ٹھیٹھ روایتی اسلام (Traditional Islam) کو نہ صرف دیکھنے بلکہ ایک درجے میں مطالعے کا موقع بھی ملا ہے۔ ابراہیم موسیٰ نے کچھ عرصہ دیوبند مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور بعدازاں امریکہ میں اسلامی علوم کی تحصیل کی۔ جبکہ ماہان مرزا امریکہ میں صدر مؤسس انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دروس قرآنی اور لیکچرز سے متاثر ہو کر نہ صرف دین کی طرف آئے بلکہ وہاں انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کر کے پاکستان آ کر قرآن اکیڈمی میں تحریک رجوع الی القرآن میں شامل ہو کر قرآن و حدیث اور عربی کی استعداد بڑھانے میں وقت صرف کیا۔ وہ کچھ عرصہ تنظیم اسلامی کے اسلام آباد کے حلقے میں عملاً شامل رہے اور ایک بار تنظیم کے سالانہ اجتماع کے موقع پر بھی ان کا خطاب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے انٹرنیٹ پر اپنے CV میں قرآن اکیڈمی لاہور کا ذکر کیا ہے۔ لیکن پھر امریکی اکیڈمک اسٹیبلشمنٹ کے زیر اثر انہوں نے مغربی اقدارِ حیات‘ ثقافتی رجحانات اور علمی آراء سے ایسی سازگاری ظاہر کی ہے کہ جیسے یہ بھی کوئی منزّل من اللہ مذہب ہے۔ ان حضرات کے ہاں یہ ذہنی تحولِ عظیم کیوں اور کیسے آیا؟— ان سوالات کو عزیزم استاذ رشید ارشد نے اپنے مضمون ’’دینی بیانیہ اور تفہیمِ مغرب کی ضرورت‘‘ میں گہرے اور فلسفیانہ تحلیل و تجزیے کے ساتھ بیان کیا ہے جو اس شمارے میں شامل ہے۔ سردست علمی مباحث سے اغماض برتتے ہوئے راقم اتنا عرض کرنا چاہے گا کہ ’’یُسر‘‘ پر قائم مذہبی کلچر اور ’امریکی اسلام‘ شاید کسی درجے میں مغرب کے باسی مسلمانوں کو قابلِ قبول ہو‘ لیکن یہ بلادِ اسلامیہ کے قرآن و سنت کو ماننے اور ان پر عمل کر کے آخرت میں اجر اور کامیابی کے طالب مسلمانوں کے ہاں بار نہیں پا سکتا۔

اس مختصر بحث کے تناظر میں فواد سیزگن کی مشہور کتاب **محاضرات فی تاریخ العلوم العربیۃ والاسلامیۃ** کا یہ پیراگراف میرے نقطہ نظر کی بہت خوبصورتی اور مؤثر انداز میں وضاحت کرتا ہے:

> ’’دورِ جدید کے لیے حقیقت کا مفہوم بنیادی طور پر ’’ارتقائی‘‘ ہے‘ جو مسلسل معلوم سے بلندتر کی طرف سفر کرتا رہتا ہے‘ جبکہ اس کا مفہوم اسلامی آرتھوڈوکسی [مراد عقیدۂ اہلِ سنت] میں ایک حتمی اور مستقل شے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغرب میں مسلسل ایک ذہنی غلغلہ برپا رہتا ہے‘ جبکہ مشرق پر وُہی جانی پہچانی آسودگی چھائی رہتی ہے جو اس کا امتیاز ہے اور جس کا اشتیاق گاہے گاہے گوئٹے نے ظاہر کیا۔ مشرقی اسلامی ذہنیت میں ’’تبدیل نہ ہونے‘‘ کی کیفیت جدید مغربی تہذیب کو جمود نظر آتی ہے‘ جبکہ مسلمانوں کے مسلمہ عقائد میں نئی نئی باتوں کو ’بدعت‘ تصور کیا جاتا ہے جن کی حقیقت مشکوک اور مشتبہ ہے۔ مسلمانوں کے ہاں ہر وہ عہد روبہ زوال ہے جو قدیم مثالی معیار سے ہٹ گیا ہو‘ جبکہ سیکولر فرزندانِ مغرب کسی عہد کو اس لیے روبہ زوال تصور کرتے ہیں کہ اس میں کوئی تغیر ہی پیدا نہیں ہوا۔‘‘

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ متین اور اس کے تقاضوں کو اسی طرح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں جیسا کہ وہ ہیں‘ آمین!

© rasailojaraid.com